ترجمہ وتلخیص

تورات پرتنقید کی قرآنی اصطلاحات

ڈاکٹر محمد جلاء ادریس

مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآن کریم کا ایک اعجاز یہ ہے کہ اس میں بہت سے ایسے علوم کی بنیادیں موجود ہیں جو صدیوں کے بعد دریافت ہوئے ہیں۔ ان علوم میں سے ایک علم "تقابلِ ادیان" ہے۔ ان بنیادوں پر مسلم اصحابِ علم نے ضخیم کتابیں تصنیف کی ہیں جو آج تک محققین کے لیے مینارۂ نور بنی ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر "تقابلِ ادیان" کے موضوع پر سب سے پہلے نوبختی (م ۲۰۲ھ) نے کام کیا اور "الآرا، والدیانات" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ مسعودی (م ۳۶۰ھ) کی اس موضوع پر دو کتابیں ہیں۔ اس موضوع پر مسبحی (م ۴۲۰ھ) کی کتاب "درک البغیۃ فی وصف الادیان والعبادات" تین ہزار اوراق پر مشتمل ہے۔ ابومنصور بغدادی (م ۴۲۹ھ) نے بھی اس موضوع کو اپنایا ہے اور 'الملل والنحل' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ اس موضوع پر ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶ھ) کی دائرۃ المعارف 'الفصل فی الملل و الاھواء والنحل' کا شمار ان اہم ترین تحقیقات میں ہوتا ہے جن میں مختلف مذاہب کا کسی حد تک معروضی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ شہرستانی (م ۵۴۸ھ) کی کتاب الملل والنحل اور نجم الدین بغدادی طوفی (م ۷۱۶ھ) کی کتاب الانتصارات الاسلامیۃ بھی شہرت رکھتی ہیں۔

ان اصحابِ علم و محققین میں سے بیش تر نے اپنے مطالعات کی بنیادیں قرآن کریم سے حاصل کی ہیں اور انھیں اس قسم کے مطالعات میں مغرب پر سبقت حاصل ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اہلِ مغرب کو مطالعۂ مذاہب کی جانب متوجہ کیا ہے۔

مثال کے طور پر مغرب میں کتابِ مقدس (بائبل) کی تاریخی تنقید کا آغاز منہجی طور پر سترہویں صدی عیسوی میں ہوا ہے۔ اس کا سہرا یہودی فلسفی "باروخ اسپینوزا" (م ۱۶۷۷ء) کے سر جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ شرقاوی نے اپنی ایک تحقیق میں ثابت کیا ہے کہ یہ یہودی فلسفی اس میدان میں غرناطہ کے ایک یہودی عالم ابراہام بن عذرا سے متاثر تھا اور ابراہام نے اس علم میں ابنِ حزمؒ (جن کا زمانہ اس سے سو سال پہلے کا ہے) کی تحریروں کا واضح اثر قبول کیا ہے۔ گویا ابراہام فکری اعتبار سے ابن حزم اور اسپینوزا کے درمیان ایک کڑی ہے۔ اس کا اشارہ اس سے ملتا ہے کہ ابن حزم اور اسپینوزا کے افکار میں بہت مشابہت ہے۔

ڈاکٹر شرقاوی نے لکھا ہے:

"کہا جا سکتا ہے کہ ابن حزم نے اپنی کتاب میں جو بحثیں کی ہیں، اسپینوزا نے اپنی داخلی تنقید میں انہی کی تلخیص کر دی ہے اور انھیں نئی ترتیب و تنسیق سے اور زیادہ گہرائی کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ پھر ان سے وہی نتائج نکالے ہیں جو ابن حزم بیان کر چکے ہیں۔ بلکہ لبسا اوقات ان نتائج کا تذکرہ ابن حزم اندلسی ہی کی عبارت جیسی عبارت میں کیا ہے۔"[1]

عہد نامہ قدیم کے نصوص کے تنقیدی مطالعہ کی بعض کوششیں ماضی قریب میں ہوئی ہیں۔ مثلاً پندرہویں صدی میں اسپین کے پادری توستاتوس نے بعض نصوص کے الحاقی اور وضعی ہونے کا انکشاف کیا تھا۔ سولہویں صدی میں بودنشتین نے ۱۵۲۰ء میں اعلان کیا کہ اسفارِ خمسہ (عہد نامہ قدیم کی ابتدائی پانچ کتابوں) کا مؤلف کوئی غیر معروف شخص ہے۔ سترہویں صدی میں بعض علمائے جزویت مثلاً بریرا نے پورے عہد نامۂ قدیم اور خاص طور پر اس کے اسفارِ خمسہ میں بعض نصوص کے وضعی ہونے کی نشاندہی کی ہے۔ اسی صدی میں رچرڈ سیمون

---

[1] محمد عبداللہ الشرقاوی، منہج نقد النص بین ابن حزم الاندلسی و اسپینوزا، دار الفکر العربی قاہرہ ۱۹۹۳، ص: ۷۰

کی بھی اس موضوع پر متعدد تحریریں ہیں[۱] عہدنامۂ قدیم کے نصوص کے تنقیدی مطالعہ کی مذکورہ اور ان کے بعد ہونے والی کوششوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان نصوص کے سلسلہ میں قرآن کا اختیار کردہ نقطۂ نظر بالکل صحیح تھا۔

اس مقالہ میں ہماری کوشش ہوگی کہ قرآن نے تورات کے نصوص پر تنقید کے سلسلے میں جو اصطلاحات استعمال کی ہیں مختلف تفاسیر کی روشنی میں ان کی وضاحت کریں، پھر عہدنامۂ قدیم کے نصوص سے ان کی دلیل پیش کریں۔ ان نصوص کا انتخاب اکثر مقامات پر عہدنامۂ قدیم کے براہِ راست مطالعہ کے ذریعے کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں سابقہ مطالعات جن میں تحریف و تناقض کے حوالے سے بعض نصوص پیش کیے گئے ہیں، ان پر اعتماد نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان میں زیادہ تر معروضیت کے بجائے جذباتیت غالب ہے۔

کوشش کی گئی ہے کہ مختلف اور متنوّع شواہد پیش کیے جائیں اور تناقض کی وضاحت کے لیے خود عہدنامۂ قدیم کے نصوص کا باہم تقابل کیا جائے، اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے۔ ان نصوص کے سلسلے میں مغربی اصحابِ علم کی آراء کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔

تورات پر تنقید کے قرآنی موقف کے سلسلے میں سب سے اہم اور نمایاں چیز وہ اصطلاحات ہیں جو اس مسئلہ میں قرآن کریم میں وارد ہوئی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند اہم اصطلاحات کی وضاحت کی جارہی ہے۔

۱۔ تحریف

تورات کے سلسلے میں یہود پر تنقید کرتے ہوئے قرآن نے ایک اصطلاح "تحریف" کی استعمال کی ہے۔ یہ اصطلاح قرآن کے متعدد مقامات پر آئی ہے۔ چند آیات درج ذیل ہیں:

أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ — اے مسلمانو، اب کیا ان لوگوں سے

---

[۱] محمد عبداللہ الشرقاوی، مقارنۃ الادیان، بحوث و دراسات، دارالہدایۃ قاہرہ ص: ۶۵

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔
(البقرۃ: ٧٥)

تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے، حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ یہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی ۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ
(النساء: ٤٦)

جن لوگوں نے یہودیت کا طریقہ اختیار کیا ہے ان میں کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں اور دینِ حق کے خلاف نیش زنی کرنے کے لیے اپنی زبانوں کو توڑ موڑ کر کہتے ہیں "سمعنا وعصینا" اور "اسمع غیر مسمع" اور "راعنا"

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ
(المائدۃ: ٤١)

اے پیغمبر، تمہارے لیے باعثِ رنج نہ ہوں وہ لوگ جو کفر کی راہ میں بڑی تیز گامی دکھا رہے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے مگر دل ان کے ایمان نہیں لائے، یا ان میں سے ہوں جو یہودی ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ جھوٹ کے لیے کان لگاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کی خاطر جو تمہارے پاس کبھی نہیں آئے سن گن لیتے پھرتے ہیں۔ کتاب اللہ کے الفاظ کو ان کا صحیح محل متعین ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں۔

"تحریف" لغت میں پھیر دینے کو کہتے ہیں۔ حرّف الکلام یعنی بات کو اس کے معنی

سے پھیر دیا[1]۔ تحریف کے لغوی معنی ٹیڑھا کرنا کے بھی آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے قلم محرّف یعنی وہ قلم جس کا قط ٹیڑھا ہو۔ تحریف الکلم عن مواضعہ کا مطلب ہے کسی بات کا مفہوم بدل دینا[2]۔

یہود تورات میں کس طرح کی تحریف کرتے تھے اور اس سلسلے میں وارد آیات کا کیا مفہوم ہے؟ مفسرین کی تشریحات سے اس کے متعدد پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۷۵ کی تفسیر میں خازنؒ نے لکھا ہے کہ ارشادِ باری کا مطلب یہ ہے کہ یہود اچھی طرح جانتے تھے کہ اللہ کا کلام بالکل صحیح ہے اور اس میں کیا بات کہی گئی ہے۔ اس کے باوجود وہ اس میں حسبِ منشا تبدیلی کر دیتے تھے اور انھیں بخوبی معلوم تھا کہ انھوں نے غلط کیا ہے اور وہ جھوٹے ہیں[3]۔

اسی آیت کی تفسیر میں طبریؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا ہے کہ "تحریف کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس میں حلال کو حرام، حرام کو حلال، صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دیتے تھے۔ کسی معاملے میں دو آدمی ان کے پاس فیصلہ کرانے آتے تو جو شخص حق پر ہوتا اور وہ انھیں بطورِ رشوت کچھ دیتا تو اللہ کی کتاب کی روشنی میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتے اور اگر دوسرا شخص انھیں رشوت دیتا تو اسی کتاب کے ذریعہ اسے صاحبِ حق قرار دیتے تھے۔ یُحَرِّفُوْنَہٗ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کا مفہوم بدل دیتے تھے۔ اس کی اصل انحراف ہے جس کے معنی ہیں ایک طرف سے دوسری طرف پھر جانا"[4]۔

آلوسیؒ نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ "وہ تورات سن کر حسبِ منشا اس کی غلط تاویل کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی خیال ہے۔ جمہور

---

[1] المعجم الوسیط، مجمع اللغۃ العربیہ، بدون تاریخ طبع دوم، ۱/ ۴۴
[2] ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت بدون تاریخ ۹/ ۴۳
[3] لباب التاویل فی معانی التنزیل معروف بہ تفسیر خازن مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۹۵۵، طبع دوم ۱/ ۷۵
[4] طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری) مصطفیٰ البابی الحلبی قاہرہ ۱۹۶۸، طبع سوم ۱/ ۳۶۷

کہتے ہیں کہ تحریف کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کلام الٰہی میں تبدیلی کر دیتے تھے جیسا کہ انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مذکور اوصاف کے سلسلے میں کیا۔"[1]

صاحب المنار نے بھی اس آیت کا یہی مفہوم ذکر کیا ہے کہ "کلامِ الٰہی میں تحریف کا مطلب تاویل کر کے اسے اس کے صحیح مفہوم سے پھیر دینا ہے"[2]

رہی سورۂ نساء کی آیت ۴۶ تو اس کی تفسیر میں طبریؒ نے مجاہدؒ سے روایت کی ہے کہ "تحریف کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلامِ الٰہی کی تاویل کر کے اس کے اصل مفہوم میں تبدیلی کر دیتے ہیں"[3]

اس آیت کی تفسیر میں آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ "تحریفِ کلام کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ تورات کے بعض مقامات سے بعض عبارتیں ہٹا دیتے تھے اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عبارت میں تو کوئی تبدیلی نہ کرتے تھے لیکن غلط تاویلات اور حیلوں بہانوں کے ذریعہ اسے اصل معنی سے پھیر دیتے تھے" مزید فرماتے ہیں: "تحریف کے معنی کسی چیز کو کنارے لگا دینے کے ہیں۔ اس سے "بعض کلمات کو ہٹا کر ان کی جگہ دوسرے کلمات لے آنا" مراد ہوگا۔ یہ بطور کنایہ ہے"[4]

سورہ مائدہ میں ہے:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ	اب ان کا حال یہ ہے کہ الفاظ کا
عَن مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا	الٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں
حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ	لے جاتے ہیں۔ جو تعلیم انھیں دی
وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ	گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھول چکے ہیں
خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا	اور آئے دن تمہیں ان کی کسی نہ کسی

---

[1] آلوسی، روح المعانی۔ ملتان، پاکستان، بدون تاریخ ۱۰/ ۲۹۸

[2] محمد رشید رضا، تفسیر المنار، دارالمعرفۃ بیروت طبع دوم بدون تاریخ ۱/ ۳۵۶

[3] تفسیر طبری ۵/ ۱۱۸

[4] روح المعانی ۵/ ۴۶

مِّنۡهُمۡ (آیت ۱۳) — خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں۔

اس کی تفسیر میں صاحب المنار نے تبدیلیٔ نص کی تمام صورتیں جمع کر دی ہیں۔ فرماتے ہیں "تحریف کا اطلاق الفاظ کی تقدیم و تاخیر، حذف، کمی بیشی اور الفاظ کی غلط تاویل سب پر ہوتا ہے"۔[1]

مذکورہ بالا آیات میں مائدہ ۴۱ میں "مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهٖ" اور النساء ۴۶ اور مائدہ ۱۳ میں "عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ" آیا ہے۔ کیا دونوں کے مفہوم میں کچھ فرق ہے؟

خازنؒ اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ "ہاں دونوں میں فرق ہے۔ يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ کا مطلب ہے کہ "وہ لوگ نصوص کی غلط تاویلات کرتے ہیں"۔ اس میں الفاظ کی تبدیلی کا تذکرہ نہیں ہے۔ لیکن يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهٖ سے اشارہ ملتا ہے کہ وہ دونوں کام کرتے تھے۔ وہ نصوص کی غلط تاویلات بھی کرتے تھے اور لبا اوقات انھیں بدل کر ان کی جگہ دوسرے الفاظ لے آتے تھے۔ گویا اول الذکر آیت میں غلط تاویل کرنے کا بیان ہے اور موخر الذکر آیت میں اسے بالکلیہ نکال دینے کا اشارہ ہے"۔[2]

ابو حیان اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ "بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہود تورات کے الفاظ کی تبدیلی پر قادر نہ تھے، ان کی تحریف سے مراد غلط تاویل ہے"۔[3]

اس تفصیل سے واضح ہے کہ "تحریف" کی اصطلاح میں متعدد باتیں شامل ہیں، مثلاً الفاظ کی تبدیلی، باطل شبہات پیدا کرنا، غلط تاویل اور الفاظ کو ان کے حقیقی معانی سے پھیرنا وغیرہ۔

ابن حزمؒ نے یہ اصطلاح حذف و اضافہ اور الفاظ کو ان کے معنیٔ اصلی

---

[1] تفسیر المنار ۶/۲۸۲ - ۲۸۳ [2] تفسیر خازن ۲/۵۳ - ۵۴

[3] ابو حیان اندلسی، تفسیر البحر المحیط، دار الفکر بیروت بدون تاریخ ۳/۴۴۵ - ۴۴۶

سے پھیرنے کے مفہوم میں استعمال کی ہے۔ انھوں نے تورات میں تحریف کا سبب بھی بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ ایک مخصوص طبقہ نے تورات کا علم اپنے لیے خاص کر لیا تھا[1]

مفسرین نے تحریفِ تورات کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔ یہاں چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے سے متعلق مثال میں کتاب احبار کی اس عبارت کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

> "اور زمین پر کے سب رینگنے والے جانداروں میں سے جتنے پیٹ کے بل یا چار پاؤں کے بل چلتے ہیں یا جن کے بہت سے پاؤں ہوتے ہیں ان کو تم نہ کھانا کیونکہ وہ مکروہ ہیں۔" (۱۱ : ۴۲)

کتاب احبار کے گیارہویں باب میں حرام ماکولات بیان کی گئی ہیں۔ عبارتِ بالا میں چار پاؤں کے بل چلنے والے جانداروں کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اور مکروہ سے مراد تحریمی ہے کیونکہ ان کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ حالانکہ چوپایوں میں گائے بھیڑ بکریاں وغیرہ یہود کے نزدیک بھی حلال ہیں۔ اب دو باتوں میں سے کوئی ایک ہی صحیح ہو سکتی ہے۔ یا تو یہود نص کی مخالفت کر رہے ہیں یا انھوں نے نص میں تحریف کر دی ہے۔

۲۔ کتاب استثناء میں ہے :

> "تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے۔ تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا تاکہ خداوند تیرا خدا اس ملک میں جس پر تو قبضہ کرنے جا رہا ہے تیرے سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت دے" (۲۳ : ۱۹-۲۰)

---

[1] ابن حزم کے نزدیک اس اصطلاح کے استعمال سے متعلق ملاحظہ کیجئے احمد محمود ہویدی کا مقالہ منہج ابن حزم فی نقد التوراۃ۔ مجلہ الدراسات الشرقیہ قاہرہ شمارہ ۱۴ ۱۹۹۵ء ص ۱۱۱ وما بعد

عبارتِ بالا میں پہلے تو سود کے فرد اور معاشرہ پر پڑنے والے مضر اثرات کو دیکھتے ہوئے اسے حرام قرار دیا گیا ہے لیکن اس کی حرمت صرف اس صورت میں رکھی گئی ہے جب اس کا لین دین یہود کے درمیان ہو۔ لیکن آگے غیر یہودی کو سودی قرض دینا جائز کر دیا گیا ہے۔ یقینی ہے کہ یہ بھی یہود کی تحریف ہے جس کے ذریعے انھوں نے حرام کو حلال کر لیا ہے۔

۲۔ بے بنیاد تاویل اور غلط توجیہ کی ایک مثال وہ ہے جو یہود نے روئے زمین پر بسنے والوں کی زبانوں کے اختلاف کے سلسلے میں کی ہے۔ کتاب پیدائش میں ہے:

"اور تمام زمین پر ایک ہی زبان اور ایک ہی بولی تھی اور ایسا ہوا کہ مشرق کی طرف سفر کرتے کرتے ان کو ملک سنعار میں ایک میدان ملا اور وہ وہاں بس گئے..... پھر وہ کہنے لگے کہ آؤ ہم اپنے واسطے ایک شہر اور ایک برج جس کی چوٹی آسمان تک پہنچے، بنائیں اور یہاں اپنا نام کریں.... اور خداوند نے کہا دیکھو یہ لوگ سب ایک ہیں اور ان سبھوں کی ایک ہی زبان ہے۔ وہ جو یہ کرنے لگے ہیں تو اب کچھ بھی جس کا وہ ارادہ کریں ان سے باقی نہ چھوٹے گا۔ سو آؤ ہم وہاں جا کر ان کی زبان میں اختلاف ڈالیں تاکہ وہ ایک دوسرے کی بات سمجھ نہ سکیں۔ پس خداوند نے ان کو وہاں سے تمام روئے زمین میں پراگندہ کیا۔ سو وہ اس شہر کے بنانے سے باز آئے۔ اس لیے اس کا بابل ہوا کیونکہ خداوند نے وہاں ساری زمین کی زبان میں اختلاف ڈالا اور وہاں سے خداوند نے ان کو روئے زمین پر پراگندہ کیا۔" (۱۱: ۱ — ۹)

حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت کو طوفان سے نجات دینے کے بعد رب کا غضب اس پر کیوں نازل ہوا؟ عبارت بالا میں اس کی کوئی معقول وجہ نہیں بیان کی گئی ہے۔ بابل شہر کی وجہ تسمیہ بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس کی اصل عبرانی نہیں بلکہ آشوری اور آرامی زبانوں میں "باب ایل" یعنی باب اللہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کے نام کو اس کے باشندوں پر اللہ کے غضب سے جوڑ دینے کا سبب

یہ ہے کہ اہلِ بابل نے ایک موقع پر بڑے پیمانے پر یہود کو غلام بنالیا تھا۔ اس تاویلِ فاسد کے ذریعے انھیں ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۴۔ تورات میں اضافہ کی ایک مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں ہے کہ انھوں نے قیدخانہ میں اپنے ایک ساتھی کو اس کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا:

"اور فرعون سے میرا ذکر کرنا اور مجھے اس گھر سے چھٹکارا دلوانا، کیونکہ عبرانیوں کے ملک سے مجھے چرا کرلے آئے ہیں"
(کتاب پیدائش: ۴۰: ۱۵)

معلوم نہیں "عبرانیوں کے ملک" سے کون سی سرزمین مراد ہے؟ اس لیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تو اپنے بیٹوں کے ساتھ کنعان میں رہتے تھے:

"اور یعقوب ملک کنعان میں رہتا تھا جہاں اس کا باپ مسافر کی طرح رہا تھا" (کتاب پیدائش ۳۷ : ۱)

۵۔ تورات کی نمایاں تحریفات میں سے "من" کے ذائقے کے بارے میں متضاد بیانات ہیں۔ کتاب خروج میں ہے:

"اور بنی اسرائیل نے اس کا نام من رکھا اور وہ دھنیے کے بیج کی طرح سفید اور اس کا مزہ شہد کے بنے ہوئے پوئے کی طرح تھا" (۱۶: ۳۱)

اور گنتی میں ہے:

"اور من دھنیے کی مانند تھا اور ایسا نظر آتا تھا جیسے موتی۔ لوگ ادھر ادھر جا کر اسے جمع کرتے اور اسے چکی میں پیستے یا اکھلی میں کوٹ لیتے تھے۔ پھر اسے ہانڈیوں میں ابال کر روٹیاں بناتے تھے۔ اس کا مزہ تازہ تیل کا سا تھا" (۱۱ : ۷—۸)

صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں عبارتیں دو افراد کی لکھی ہوئی ہیں، ہر ایک نے من کے ذائقہ کی وضاحت اپنے اپنے اعتبار سے کی ہے۔

۶۔ کتاب استثناء میں ہے:

"اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑکے ہوں اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو تو جب وہ اپنے بیٹوں کو اپنے مال کا وارث کرے تو وہ محبوبہ کے بیٹے کو غیر محبوبہ کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے، فوقیت دے کر پہلوٹھا نہ ٹھہرائے۔ بلکہ وہ غیر محبوبہ کے بیٹے کو اپنے سب مال کا دونا حصہ دے کر اسے پہلوٹھا مانے کیونکہ وہ اس کی قوت کی ابتدا ہے اور پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے۔ (۲۱: ۱۵-۱۷)

اس ربّانی قانون کی اصحابِ تورات نے متعدد مرتبہ خلاف ورزی کی ہے۔ چنانچہ انھوں نے پہلوٹھے کا حق حضرت ابراہیمؑ کے بڑے صاحب زادے حضرت اسماعیلؑ سے چھیننے کے لیے نص میں تحریف کر دی۔ اسی طرح حضرت اسحاقؑ کے بڑے بیٹے عیسو سے پہلوٹھے کا حق چھین کر چھوٹے بیٹے یعقوبؑ کو دینے کے لیے حیلہ سے کام لیا۔

خود عہد نامۂ قدیم میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیا ہوں یا کاہن یا عوام، سب نے اللہ کے کلام اور وحی میں تحریف کی ہے۔ کتابِ یرمیاہ کی درج ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے جرائم کی فہرست میں ایک جرم تحریف بھی ہے:

"اور جب یہ لوگ یا نبی یا کاہن تجھ سے پوچھیں کہ خداوند کی طرف سے بارِ نبوت کیا ہے؟ تب تو ان سے کہنا: کون سا بارِ نبوت! خداوند فرماتا ہے: میں تم کو پھینک دوں گا اور نبی اور کاہن اور لوگوں میں سے جو کوئی کہے خداوند کی طرف سے بارِ نبوت، میں اس شخص کو اور اس کے گھرانے کو سزا دوں گا۔ چاہیے کہ ہر ایک اپنے پڑوسی اور اپنے بھائی سے یوں کہے کہ خداوند نے کیا جواب دیا، اور خداوند نے کیا فرمایا ہے؟ پر خداوند کی طرف سے بارِ نبوت کا ذکر تم کبھی نہ کرنا اس لیے کہ ہر ایک آدمی کی اپنی ہی باتیں اس پر بار ہوں گی کیونکہ تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا

کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے"۔ (۲۳: ۳۴-۳۶)

۲۔ "لبس" (مشتبہ کر دینا)

دوسری اصطلاح "لبس" کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ	اور باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو
وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ	مشتبہ نہ بناؤ اور جانتے بوجھتے حق کو
(البقرہ: ۴۲)	چھپانے کی کوشش نہ کرو۔
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ	اے اہلِ کتاب! کیوں حق کو باطل
الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ	کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بناتے ہو؟
وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (آل عمران: ۷۱)	کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو؟

"لبس" کے معنی ہیں التباس اور اشتباہ پیدا کر دینا۔ کہا جاتا ہے لَبَسَ عَلَيْهِ الْاَمْرَ یعنی اس نے معاملہ مشتبہ کر دیا اور حقیقت تک رسائی ناممکن بنا دی[۱]۔ اس کا مصدر لَبْس اور لِبس دونوں آتا ہے۔ معنی ہے شبہ میں ڈالنا اِلْتَبَسَ علیہ الامر یعنی معاملہ اس پر مشتبہ ہو گیا۔ تلبیس کے معنی ہیں مشتبہ کر دینا اور خلط ملط کر دینا[۲]۔ لَبَسَ علیہ الامر یعنی اس نے معاملہ کی حقیقت پر پردہ ڈال دیا اور اسے ایسا کر دیا کہ (دوسرا شخص) اس کے بارے میں شک اور حیرت میں پڑ گیا[۳]۔

خازنؒ نے وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ کی تشریح میں لکھا ہے "یعنی تورات میں ایسی باتیں شامل نہ کرو جو اس میں نہیں ہیں ورنہ حق جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، باطل سے جس کا تم اضافہ کرو گے خلط ملط ہو جائے گا[۴]۔

---

[۱] المعجم الوسط ۱/ ۸۱۳

[۲] لسان العرب ۶/ ۲۰۴

[۳] معجم الفاظ القرآن الکریم۔ الہیئۃ المصریۃ العامۃ للتالیف والنشر، قاہرہ ۱۹۷۰ء ۲/ ۵۶۳

[۴] تفسیر خازن ۱/ ۵۳

'لبس' کے معنی خلط ملط کرنے کے ہیں۔ اس میں اشتباہ کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ یا تو اس کے حقیقی معنی ہیں یا مجازی[1]۔ یہی بات ابوالسعودؒ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھی ہے۔ فرماتے ہیں: "لبس کے معنی خلط ملط کرنے کے ہیں۔ بسا اوقات دو چیزوں کے خلط ملط ہونے سے اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حق جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور باطل جسے تم نے گھڑا ہے، دونوں کو خلط ملط نہ کرو کہ ان میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔ یا مطلب یہ ہے کہ باطل کے ذریعے جسے تم لکھ کر شامل کر دیتے ہو یا بطور تاویل ذکر کرتے ہو، حق کو مشتبہ نہ بناؤ"[2]

اس کا بھی امکان ہے کہ 'لبس' لباس سے مشتق ہو۔ اس اعتبار سے لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ کا مطلب ہوگا کہ حق کو باطل کے ذریعے نہ ڈھانک دو[3]۔ آلوسی نے لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ کی تفسیر میں اسی طرح کی بات لکھی ہے[4]

طبرسیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: "لبس (خلط ملط کرنا) تغطیہ (ڈھانپ لینا) اور تعمیہ (چھپا لینا) ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ تغطیہ اور تعمیہ میں فرق یہ ہے کہ تغطیہ اضافہ سے ہوتا ہے اور تعمیہ میں کمی اور زیادتی دونوں شامل ہوتی ہیں۔ لبس کی ضد ایضاح ہے۔ لباس سے مراد وہ چیز ہے جس سے جسم چھپایا جائے۔ لباس التقویٰ سے مراد حیا ہے۔ لبس کے معنی ہیں چیزوں کو باہم خلط ملط کر دینا۔ لبس اور اخفاء کے درمیان فرق یہ ہے کہ اخفاء کے باوجود معنی سمجھ میں آسکتے ہیں لیکن لبس کی صورت میں معنی کا ادراک ممکن نہیں ہوتا"[5]

سید محمد رشید رضاؒ نے سورۂ بقرہ کی آیت (۴۲) کی تفسیر میں لبس کے مفہوم میں بہت وسعت دے دی ہے۔ انھوں نے ایہام (وہم پیدا کرنا) کتمان (چھپانا) افترا

---

[1] روح المعانی ۱/۲۴۶

[2] ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۳ء ۱/۹۶

[3] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۱/۳۴۰

[4] روح المعانی ۳/۱۹۹

[5] طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۷۹ھ، ۱/۹۵
۴۴۵

اصولوں میں نئی نئی چیزوں اور رسوم و رواج کی آمیزش، تاویلِ بے جا اور متقدمین کے اقوال و افعال سے استنباط کو بھی اس میں شامل کیا ہے[۱] ہمارا بھی خیال ہے کہ اس میں عملاً یہ تمام معانی شامل ہو جاتے ہیں۔

رازیؒ نے آیتِ بقرہ کی تفسیر میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "اس میں اہلِ کتاب کو دوسروں کو گمراہ کرنے کا رویہ ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انھوں نے وضاحت کی ہے کہ دوسروں کو غلط راستے پر ڈالنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ حق تک پہنچانے والے دلائل میں گڑبڑ پیدا کر دی جائے اور دوسرا یہ کہ انسان کو ان دلائل تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ کہہ کر پہلے طریقے کی طرف اشارہ کیا گیا اور وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ کہہ کر دوسرے طریقے کی طرف۔[۲]

اگر لبس سے حق و باطل کو گڈمڈ کر دینا، من گھڑت باتوں کا اضافہ کر دینا اور اصولی تعلیمات میں نئی خود ساختہ چیزیں اور رسوم و رواج شامل کر دینا مراد لیا جائے تو اس کی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں:

۱۔ کتاب پیدائش میں فرشتوں کے ذریعے حضرت سارہ سے حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ اس میں ہے کہ:

> "پھر اس نے مکھن اور دودھ اور اس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا لے کر ان کے سامنے رکھا اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انھوں نے کھایا۔" (۸ : ۱۸)

پھر جب یہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انھوں نے بھی ان کی ضیافت کا اہتمام کیا۔ کتاب پیدائش میں ہے:

> "وہ اس کے ساتھ چل کر اس کے گھر میں آئے اور اس نے ان کے لیے ضیافت تیار کی اور بے خمیری روٹی پکائی اور انھوں نے کھایا۔" (۳:۱۹)

---

[۱] تفسیر المنار ۱/ ۲۹۲

[۲] رازی، التفسیر الکبیر، دار الفکر بیروت، ۱۹۷۸ء، ۱/ ۲۲۴

مذکورہ دونوں مقامات پر فرشتوں کے کھانا کھانے کی صراحت موجود ہیں۔

۲۔ تورات میں زنا کو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے۔ کوہِ طور پر بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا تھا اس میں صراحت ہے: "تو زنا نہ کرنا" (خروج ۲۰: ۱۴) یہی نہیں بلکہ کسی غیر عورت کے بارے میں سوچنا بھی حرام کیا گیا ہے: "تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا (خروج ۲۰: ۱۷) دوسری طرف "اسفارِ مقدسہ" میں زنا کے (اور وہ بھی محرمات کے ساتھ) متعدّد واقعات مذکور ہیں۔ یہاں ہم نعوذ باللہ، حضرت لوطؑ کی دونوں بیٹیوں کے اپنے باپ کے ساتھ زنا کے واقعہ (جو کتاب پیدائش ۱۹: ۳۰۔ ۳۸ میں مذکور ہے) کو بیان نہیں کریں گے اس لیے کہ وہ تورات میں زنا کی حرمت اور بنی اسرائیل کے ظہور سے قبل کا واقعہ ہے، اگرچہ وہ بھی ان کی من گھڑت باتوں اور حق و باطل کو گڈمڈ کر دینے کی مثالوں میں آتا ہے۔ یہاں بعد کے چند واقعات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن کا تذکرہ خود ان کی کتابوں میں موجود ہے۔

الف۔ یعقوب کے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں سے زنا کیا:

"اور اسرائیل آگے بڑھا اور عدر کے برج کی پرلی طرف اپنا ڈیرا لگایا اور اسرائیل کے اس ملک میں رہتے ہوئے یوں ہوا کہ روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا۔" (کتاب پیدائش ۳۵: ۲۱-۲۲)

ب۔ داؤد کے بیٹے امنون نے اپنی بہن تمر سے زنا کیا:

"تب امنون نے تمر سے کہا کہ کھانا کوٹھری کے اندر لے آ تاکہ میں تیرے ہاتھ سے کھاؤں .... اور جب وہ ان کو اس کے نزدیک لے گئی کہ وہ کھائے تو اس نے اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا اے میری بہن مجھ سے وصل کر۔ اس نے کہا نہیں میرے بھائی میرے ساتھ جبر نہ کر.... لیکن اس نے اس کی بات نہ مانی اور چونکہ وہ اس سے زور آور تھا اس لیے اس نے اس کے ساتھ جبر کیا اور اس سے صحبت کی۔

(کتاب سموئیل دوم ۱۳: ۱۰-۱۴)

حیرت ہے کہ ان گھناؤنے افعال کی نسبت حضرت یعقوبؑ اور حضرت داؤدؑ (جن پر یہودی شریعت کا دارومدار ہے) کے بیٹوں کی طرف گئی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ واقعات سراسر من گھڑت ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ اگرچہ انسان تھے لیکن خانوادۂ نبوت

کے پروردہ تھے اس لیے ان سے ایسی نازیبا حرکتوں کا صدور ممکن نہیں۔

۲۔یہود کے اسفارِ مقدسہ میں انبیاء مثلاً حضرت یعقوبؑ اور حضرت داؤد وغیرہ کو محض بادشاہوں کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے بارے میں ایک طرف اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اللہ نے انھیں عظمت بخشی، برکت دی اور تمام انسانوں میں سے انھیں منتخب کیا تو دوسری طرف ان کی جانب مکر و فریب اور عیاری کے بہت سے واقعات منسوب کیے گئے ہیں مثلاً:

کتاب پیدائش باب ۲۵ میں مذکور ہے کہ ایک موقع پر یعقوبؑ نے اپنے بڑے بھائی عیسو کو (جب کہ وہ بھوک سے بے دم ہو رہا تھا) اس شرط پر کھانا کھلایا تھا کہ وہ ان کے ہاتھ اپنا پہلوٹھے کا حق بیچ دے۔ آگے باب ۲۷ میں ہے کہ کس طرح یعقوبؑ نے اپنی ماں کے ساتھ مل کر اپنے بھائی عیسو کے خلاف سازش کی اور اپنے باپ کی نگاہ کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اس سے برکت کی دعا لے لی، حالانکہ اس کا مستحق پہلوٹھا بیٹا عیسو تھا۔ جب باپ نے پوچھا: "تو کون ہے میرے بیٹے؟ یعقوب نے اپنے باپ سے کہا میں تیرا پہلوٹھا بیٹا عیسو ہوں" (۲۷: ۱۹) اور اس نے پوچھا کہ کیا تو میرا بیٹا عیسو ہی ہے؟ اس نے کہا میں وہی ہوں (۲۷۔۲۵) بعد میں جب باپ کو پتا چلا کہ یعقوبؑ نے دھوکا دیا ہے تو اپنے بیٹے عیسو سے کہا "تیرا بھائی دغا سے آیا اور تیری برکت لے گیا" (۲۷: ۳۶) آگے باب ۳۱ میں تفصیل سے مذکور ہے کہ کس طرح یعقوبؑ اپنے ماموں اور خسر کو دھوکا دے کر اس کا ریوڑ ہانک لے گیا اور اپنی بیویوں سے کہہ دیا کہ اس نے یہ کام خدا کے حکم سے کیا ہے "یوں خدا نے تمہارے باپ کے جانور لے کر مجھے دے دئے" (۳۱: ۹)

۳۔تبدیل

تورات پر تنقید کے سلسلے میں قرآن نے ایک اصطلاح "تبدیل" استعمال کی ہے۔ بنی اسرائیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا — مگر جو بات ان سے کہی گئی تھی ظالموں
غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ — نے اسے بدل کر کچھ اور کر دیا۔ آخر کار ہم

فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۔ (البقرہ - ۵۹)

نے ظلم کرنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ یہ سزا تھی ان نافرمانیوں کی جو وہ کر رہے تھے۔

القاموس المحیط میں ہے کہ تبدیل کے معنی تحریف کرنے اور بدل دینے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: بدّلہ تبدیلاً: اس نے اس میں تحریف کر دی اور اسے بدل دیا تبدّل: یعنی بدل جانا، متغیر ہونا[۱]

کہا جاتا ہے بدّلت الشیٔ یعنی تم نے اس کو بدل کر رکھ دیا۔ خواہ اس کی جگہ کوئی دوسری چیز نہ پیش کی ہو[۲]

بدّل الشیٔ یعنی اس نے اس چیز کی صورت بدل دی بدّل الکلام یعنی اس نے اس کلام میں تحریف کر دی[۳]

قرطبیؒ نے آیتِ بالا کی تفسیر میں تبدیلی کی نوعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی خطرناکی سے متنبہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں "ان سے کہا گیا قُوْلُوْا حِطَّۃٌ (کہو عفو و درگزر ہو) مگر وہ کہنے لگے حنطۃ (گیہوں) انھوں نے صرف ایک حرف کا اضافہ کیا۔ چنانچہ ان پر دردناک عذاب نازل کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ دین میں اضافہ اور شریعت میں کوئی نئی چیز شامل کرنا بہت خطرناک اور شدید ضرر رساں ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جب ایک لفظ (جو تو بہ کے مفہوم میں تھا) میں تبدیلی کرنے سے ایسا عذاب دیا گیا تو معبود کی صفات میں سے کسی صفت میں تبدیلی کرنے کا کتنا برا انجام ہوگا۔ ایک بات یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ عمل کے مقابلے میں قول کا معاملہ کچھ ہلکا ہوتا ہے۔ جب قول میں تبدیلی کرنے سے ایسا عذاب دیا گیا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عمل میں تبدیلی کرنے کا کتنا بھیانک انجام ہوگا[۴]

---

[۱] فیروز آبادی، القاموس المحیط، موسسۃ الحلبی قاہرہ بدون تاریخ ۳/۳۳۳

[۲] ابوالحسن احمد بن فارس بن زکریا۔ معجم مقاییس اللغۃ۔ تحقیق و ضبط عبدالسلام محمد ہارون۔ مکتب الاعلام الاسلامی، طہران ۱۴۰۴ھ ۱/۲۱۰

[۳] ایضاً

[۴] الجامع لاحکام القرآن ۱/۴۱۵

قرطبیؒ لفظ "تبدیل" کی لغوی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس کے معنی ہیں کسی چیز کو بدل کر رکھ دینا، خواہ اس کی جگہ کوئی دوسری چیز نہ پیش کی گئی ہو۔"[۱]

مراغیؒ فرماتے ہیں کہ "یہاں 'تبدیل' سے مراد حکم کی مخالفت کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا ہے۔ حکم عدولی کو تبدیلی کہہ کر یہ اشارہ مقصود ہے کہ جس شخص کو کسی چیز کا حکم دیا جائے اور وہ اس کی خلاف ورزی کرے تو گویا وہ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ اسے وہ حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی وہ دعویٰ کرتا ہے کہ جس چیز پر وہ عمل کر رہا ہے اسی کا اسے حکم دیا گیا ہے۔"[۲]

گویا اس میں قول اور عمل دونوں کی تبدیلی شامل ہے۔ عہد نامۂ قدیم اس طرح کی مثالوں سے پُر ہے۔

ذیل میں تبدیلی کی مختلف صورتوں کی مثالیں بیان کی جا رہی ہیں:

الف۔ اگر تبدیلی سے مراد ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ لے آنا مراد لیا جائے تو اس کی متعدد مثالیں ہیں:

۱۔ کتاب سموئیل دوم میں ہے:

"جا اور داؤدؑ سے کہہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ .... کیا تیرے ملک میں سات برس قحط رہے یا تو تین مہینے تک اپنے دشمنوں سے بھاگتا پھرے اور وہ تجھے رگیدیں یا تیری مملکت میں تین دن تک مری ہو۔" (۲۴: ۱۲-۱۳)

جبکہ کتاب تواریخ اول میں ہے:

"جا کر داؤدؑ سے کہہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ ..... یا تو قحط کے تین برس یا اپنے دشمنوں کے آگے تین مہینے تک ہلاک ہوتے رہنا یا تین دن ملک میں وبا رہے۔"

(۲۱: ۱۰-۱۲)

ایک جگہ قحط کے سات سال کا تذکرہ ہے اور دوسری جگہ تین سال کا۔ دونوں میں سے ایک ہی صحیح ہو سکتا ہے۔

۱؎ حوالہ سابق ص ۴۱۶

۲؎ ،، احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، مطبعۃ البابی الحلبی، قاہرہ طبع چہارم ۱۹۶۹ء ۱/ ۱۲۴-۱۲۵

۲۔ کتاب تواریخ اول میں ہے :
"بنی بنیمین یہ ہیں : بالع اور بکر اور یدیعیل" (۷ : ٦)
آگے اسی کتاب میں ہے :
"اور بنیمین سے اس کا پہلوٹھا بالع پیدا ہوا۔ دوسرا اشبیل، تیسرا اخرخ، چوتھا نوحہ اور پانچواں رفا" (۸ : ۱)
جبکہ کتاب پیدائش میں بنی بنیمین کی تعداد اس سے بھی زیادہ بتائی گئی ہے۔
"اور بنی بنیمین یہ ہیں : بالع اور بکر اور اشبیل اور جیرا اور نعمان اخی اور رؔس مفیمؔ اور حفیمؔ اور ارد" (۴٦ : ۲۱)
مذکورہ تینوں بیانات میں تعداد کا بھی فرق ہے اور ناموں کا بھی۔
۳۔ کتاب استثناء میں بنی اسرائیل کے ایک سفر کا حال یوں مذکور ہے۔
"پھر بنی اسرائیل بیروتِ بنی یعقان سے روانہ ہوکر موسیرہ میں آئے۔ وہیں ہارون نے رحلت کی اور دفن بھی ہوا اور اس کا بیٹا الیعزر کہانت کے منصب پر مقرر ہوکر اس کی جگہ خدمت کرنے لگا۔ وہاں سے وہ جُدجُودہ کو اور جُدجُودہ سے یوطبات کو چلے۔ اس ملک میں پانی کی ندیاں ہیں"۔ (۱۰ : ٦-۷)
اسی سفر کا بیان گنتی میں یوں ہے :
"اور حشمونہ سے چل کر موسیروت میں ڈیرے کھڑے کیے اور موسیروت سے روانہ ہوکر بنی یعقان میں ڈیرے ڈالے اور بنی یعقان سے چل کر حور ہجّدجاد میں خیمہ زن ہوئے اور حور ہجّدجاد سے روانہ ہوکر یوطباتہ میں خیمے کھڑے کیے اور یوطباتہ سے چل کر عبرونہ میں ڈیرے ڈالے اور عبرونہ سے چل کر عصیون جابر میں ڈیرا کیا اور عصیون جابر سے روانہ ہوکر دشت صین میں، جو قادس ہے، قیام کیا اور قادس سے چل کر کوہ ہور کے پاس، جو ملک ادوم کی سرحد ہے خیمہ زن ہوئے، یہاں ہارون کاہن خداوند کے حکم کے مطابق کوہ ہور پر چڑھ گیا اور اس نے بنی اسرائیل کے ملکِ مصر سے نکلنے کے چالیسویں برس کے پانچویں مہینے کی پہلی تاریخ کو وہیں وفات پائی۔" (۳۳ : ۳۰-۳۸)
مذکورہ دونوں بیانات ایک ہی سفر کے ہیں لیکن دونوں میں مقامات کی ترتیب

الٹ پلٹ گئی ہے اور حضرت ہارون کی جائے وفات بھی دونوں میں الگ الگ بیان کی گئی ہے۔

ب۔ اگر تبدیلی سے مراد شرائع واحکام کی تبدیلی مراد لی جائے تو اس کی بھی بکثرت مثالیں ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال ذکر کی جاتی ہے:

کتاب تواریخ دوم میں ہے:

"بادشاہ اور سرداروں اور یروشلم کی ساری جماعت نے دوسرے مہینے میں عید فسح منانے کا مشورہ کرلیا تھا کیونکہ وہ اس وقت اسے اس لیے نہیں منا سکے کہ کاہنوں نے کافی تعداد میں اپنے آپ کو پاک نہیں کیا تھا اور لوگ بھی یروشلم میں اکٹھے نہیں ہوئے تھے اور یہ بات بادشاہ اور ساری جماعت کی نظر میں اچھی تھی" (۳۰: ۲-۴)

اسی کتاب میں آگے ہے:

"سو وہ عید کے ساتویں دن تک کھاتے اور سلامتی کے ذبیحوں کی قربانیاں چڑھاتے اور خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کے حضور اقرار کرتے رہے۔ پھر ساری جماعت نے اور سات دن ماننے کا مشورہ کیا اور خوشی سے اور سات دن مانے"

(۳۰: ۲۲-۲۳)

ان عبارتوں سے واضح ہے کہ لوگوں نے باہم مشورہ سے عید فسح کا وقت تبدیل کرلیا تھا اور اس کی مدت ایک ہفتہ سے بڑھا کر دو ہفتے کر لی تھی۔

ج۔ عہدنامۂ قدیم میں تبدیلی کے بکثرت نمونے ہیں گنتیوں کے سلسلے میں ملتے ہیں۔ یہ تورات لکھنے والوں کی حسابی یادداشت کمزور ہونے کا ثبوت ہے۔ یہاں بطور مثال چند نمونے پیش کیے جارہے ہیں:۔

کتاب پیدائش (۷: ۱۷) میں ہے کہ طوفان نوح زمین پر چالیس دن رہا اور پانی بڑھا۔ اسی کتاب میں آگے (۷: ۲۴، ۸: ۳) ہے کہ پانی زمین پر ایک سو پچاس دن تک چڑھتا رہا۔

۔ کتاب قضاۃ باب ۲۰ میں بنی بنیمین اور بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلوں کے درمیان ایک جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس میں بنی بن یمین

کے جنگ جوؤں کی تعداد چھبیس ہزار مذکور ہے (۲۰ : ۱۵) مگر آگے ان کے مقتولین کی تعداد پچاس ہزار سے اوپر پہنچ گئی ہے۔ (۲۰ : ۳۵، ۴۶)

— داؤد نے ارو ناہ سے جو کھلیان اور بیل خریدے تھے ان کی قیمت کتاب سموئیل دوم (۲۴ : ۲۴) میں پچاس مثقال چاندی مذکور ہے۔ لیکن کتاب تواریخ اول (۲۱ : ۲۵) میں یہ قیمت چھ سو مثقال سونا بتائی گئی ہے۔

— کتاب سموئیل دوم (۲۴ : ۹) میں ہے کہ مردم شماری کی گئی تو اسرائیل میں آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے جو شمشیر زن تھے اور یہوداہ کے مرد پانچ لاکھ نکلے۔ جب کہ کتاب تواریخ اول (۲۱ : ۵) میں بیان کیا گیا ہے کہ سب اسرائیلی گیارہ لاکھ شمشیر زن مرد اور یہوداہ چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے۔

— شاہ بابل بنوکد نضر کی اسیری سے رہائی پا کر یروشلم واپس آنے والوں کی تعداد کتاب عزرا باب دوم اور کتاب نحمیاہ باب ہفتم دونوں میں بہت مختلف بیان کی گئی ہے۔

۴۔ کتابت

قرآن کی استعمال کردہ ایک اصطلاح "کتابت" کی ہے۔ اس میں یہود کی کارستانیوں پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے :

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ	پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں
الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ	کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ
يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ	لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ
لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ	اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے
لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ	معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کریں۔
وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ	ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لیے
	تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی
(البقرہ : ۷۹)	بھی ان کے لیے موجب ہلاکت۔

اس آیت کی تفسیر میں طبریؒ فرماتے ہیں: "اس میں بنی اسرائیل کے ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنھوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کردی اور اس نے اپنے نبی موسیٰؑ پر جو وحی نازل کی تھی اس کی غلط تاویلات تحریری شکل میں پیش کیں اور انھیں ایسے لوگوں کے ہاتھ فروخت کیا جو تورات کی حقیقی تعلیمات سے واقف تھے نہ ان تاویلات سے۔ اس سے ان کا مقصد دنیا کے حقیر مفادات کا حصول تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تباہی کی خبر دی"[1]

طبریؒ نے اس نکتہ کی بھی وضاحت کی ہے کہ آیت میں "بِاَیۡدِیۡهِمۡ" (یعنی وہ اپنے سے لکھتے ہیں) کی صراحت کیوں کی گئی ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ "ایسا نہیں تھا کہ یہود کے علماء و فقہاء کے حکم سے دوسرے نادان لوگ کچھ لکھ کر کتاب اللہ میں شامل کردیتے تھے، بلکہ یہ کام خود یہودی علماء اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے عمداً اپنی طرف سے لکھ کر پیش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی کتاب میں موجود ہے۔"[2]

سیوطیؒ نے اپنی تفسیر میں ابن ابی حاتم کی ایک روایت نقل کی ہے کہ آیت بالا کی تفسیر میں سدیؒ نے فرمایا: "یہود میں سے بعض لوگ اپنی طرف سے ایک تحریر لکھتے تھے اور اسے عربوں کے ہاتھ یہ کہہ کر بیچ دیتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس طرح چند سکّے حاصل کرلیتے تھے۔"[3]

غالب گمان یہ ہے کہ یہاں "کتاب" سے مراد درج ذیل دو چیزوں میں سے کوئی ایک ہے:

۱۔ موجودہ تورات۔ اس لیے کہ اس کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ضبط تحریر میں لانے میں متعدد افراد نے کردار انجام دیا ہے۔

۲۔ تالمود۔ اس لیے کہ یہود کا دعویٰ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک تورات

۱؎ تفسیر طبری ۱/ ۳۷۸

۲؎ حوالہ سابق

۳؎ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور۔ دار المعرفۃ۔ بیروت، بدون تاریخ، ۸۳/۱

تحریری شکل میں اور دوسری زبانی ملی تھی۔ علمائے یہود اس مؤخرالذکر تورات کو زبانی نسل در نسل منتقل کرتے رہے یہاں تک کہ بعد میں اس کی بھی تدوین عمل میں آئی۔

بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو تورات اللہ کی طرف سے زبانی ملی تھی۔ آپؐ نے اپنی قوم سے اس کی اتباع کا عہد لیا اور بعد میں اسے مدّون کیا۔ کتاب خروج میں ہے:

"اور موسیٰ نے لوگوں کے پاس جا کر خداوند کی سب باتیں اور احکام ان کو بتا دیے اور سب لوگوں نے ہم آواز ہو کر جواب دیا کہ جتنی باتیں خداوند نے فرمائی ہیں ہم ان سب کو مانیں گے اور موسیٰ نے خداوند کی سب باتیں لکھ لیں"۔ (۲۴: ۳-۴)

جب کہ اسی کتاب کے دیگر مقامات سے واضح ہے کہ انھیں تورات تحریری شکل میں ملی تھی:

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ پہاڑ پر میرے پاس آ اور وہیں ٹھہرا رہ اور میں تجھے پتھر کی لوحیں اور شریعت اور احکام جو میں نے لکھے ہیں دوں گا تاکہ تو ان کو سکھائے۔ (۲۴: ۱۲)

"اور جب خداوند کوہِ سینا پر موسیٰ سے باتیں کر چکا تو اس نے اسے شہادت کی دو لوحیں دیں۔ وہ لوحیں پتھر کی اور خدا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں (۳۱: ۱۸)

اگر ان تصریحات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ان سے درج ذیل باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔

۱۔ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے کہ اللہ کی دی ہوئی دو لوحوں پر وہ تمام چیزیں درج ہوں جو موجودہ عہد نامۂ قدیم میں پائی جاتی ہیں۔

۲۔ ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو وحی عطا کی گئی تھی اسے انھوں نے خود تفصیل سے لکھا ہو یا دوسرے کاتبین سے لکھوایا ہو۔

۳۔ اس بات کا بھی ثبوت موجود ہے کہ بہت سے ایسے کاتبین تھے جنھوں نے حضرت موسیٰؑ کے بعد پیش آنے والے واقعات کو مدوّن کیا اور گزشتہ روایات میں حسب منشا حذف و اضافہ کیا۔

عہد نامۂ قدیم میں پائے جانے والے متضاد بیانات اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ مابعد زمانوں میں کاتبین اس میں ردو بدل کرتے رہے ہیں مثلاً کتاب

پیدائش میں ہیں حضرت اسحاقؑ کے بڑے صاحبزادے عیسو کی ازواج کے سلسلے میں درج ذیل بیانات ملتے ہیں:

۱۔"جب عیسو چالیس برس کا ہوا تو اس نے بیری حتی کی بیٹی یہودتھ اور ایلون حتی کی بیٹی بشامتھ سے بیاہ کیا۔" (۲۶ :۳۴)

۲۔" عیسو اسماعیل کے پاس گیا اور مہلت کو جو اسماعیل بن ابراہام کی بیٹی اور بنایوت کی بہن تھی بیاہ کرا سے اپنی اور بیویوں میں شامل کیا" (۹:۲۸)

۳۔" عیسو کنعانی لڑکیوں میں سے حتی ایلون کی بیٹی عدّہ کو اور حوی صبعون کی نواسی اور عنہ کی بیٹی اُہلیبامہ کو اور اسماعیل کی بیٹی اور نبایوت کی بہن بشامہ کو بیاہ لایا۔" (۳۶ : ۲-۳)

نص اول میں ایلون حتی کی بیٹی کا نام بشامتھ اور نص دوم میں اسماعیل کی بیٹی کا نام مہلت مذکور ہے۔ لیکن نص سوم میں بشامہ اسماعیل کی بیٹی کا نام ہو گیا ہے اور ایلون حتی کی بیٹی کا نام عدّہ بیان کیا گیا ہے۔

عہد نامۂ قدیم میں بہت سی ایسی کتابوں کے نام ملتے ہیں جن کا اب وجود نہیں ہے۔ غالب گمان ہے کہ ان کے مشتملات بھی عہد نامۂ قدیم کی مختلف کتاب میں نقل کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً:

۔"اسی سبب سے خداوند کے جنگ نامہ میں یوں لکھا ہے......"
(کتاب گنتی : ۲۱ :۱۴)

۔"کیا یہ آشر کی کتاب میں نہیں لکھا ہے؟" (کتاب یشوع ۱۰ : ۱۳)

۔" اور سلیمان کا باقی حال اور سب کچھ جو اس نے کیا اور اس کی حکمت، سو کیا وہ سلیمان کے احوال کی کتاب میں درج نہیں؟" (کتاب سلاطین اول ۱۱ : ۴۱)

۔" اور یربعام کا باقی حال کہ وہ کس کس طرح لڑا اور اس نے کیونکر سلطنت کی وہ اسرائیل کے بادشاہوں کی تواریخ کی کتاب میں لکھا ہے" (کتاب سلاطین اول ۱۴ : ۱۹)

۔" اور سلیمان کے باقی کام شروع سے آخر تک کیا وہ ناتن نبی کی کتاب میں اور سیلانی اخیاہ کی پیشین گوئی میں اور عید و غیب بین کی رویتوں کی کتاب میں جو اس نے

میر یعام بن نباط کی بابت دیکھی تھیں، مندرج نہیں ہیں؟ (کتاب تواریخ دوم ۹ : ۲۹)

اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا کتابوں کی حیثیت ان مراجع و مصادر کی سی ہے جن کی مدد سے یہود نے عہد نامۂ قدیم کی مختلف کتابیں مدوّن کی ہیں۔

بعض کتابوں میں ان حضرات کے نام صراحت سے ملتے ہیں جنھوں نے مختلف عہدوں میں عہد نامۂ قدیم کی تدوین کا کام انجام دیا ہے مثلاً :

"سو یشوع نے اسی روز لوگوں کے ساتھ عہد باندھا اور ان کے لیے سکم میں آئین اور قانون ٹھہرایا اور یشوع نے یہ باتیں خدا کی شریعت کی کتاب میں لکھ دیں"۔ (کتاب یشوع ۲۴ : ۲۵ - ۲۶)

"پھر سموئیل نے لوگوں کو حکومت کا طرز بتایا اور اسے کتاب میں لکھ کر خداوند کے حضور رکھ دیا"۔ (کتاب سموئیل اول ۱۰ - ۲۵)

"اور آستر کے حکم سے پوریم کی ان رسموں کی تصدیق ہوئی اور یہ کتاب میں لکھ لیا گیا (کتاب آستر ۹ : ۳۲)

اسی طرح ان کتابوں میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا تذکرہ غائب کے صیغے میں ہے بعض مقامات پر "آج تک" کے الفاظ ملتے ہیں۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ ان کتابوں کی تدوین حضرت موسیٰ کے عہد کے کافی دنوں بعد ہوئی ہے مثلاً :

"اور یہ آدمی موسیٰ بھی ملک مصر میں فرعون کے خادموں کے نزدیک اور ان لوگوں کی نگاہ میں بڑا بزرگ تھا"۔ (کتاب خروج ۱۱ : ۳)

"پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے موآب کے ملک میں وفات پائی .... پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر نہیں معلوم"۔ (کتاب استثناء ۳۴ : ۵ - ۶)

"اور یوسف نے یہ آئین جو آج تک ہے، مصر کی زمین کے لیے ٹھہرایا"۔ (کتاب پیدائش ۴۷ : ۲۶)

فرانک کروس نے لکھا ہے کہ پانچویں صدی قبل مسیح اور پہلی صدی قبل مسیح کے درمیان عہد نامۂ قدیم کے نصوص سے متعلق تین مکاتبِ فکر وجود میں آئے۔ ایک فلسطینی، دوسرا مصری اور تیسرا بابلی۔ ان تینوں کے درمیان نصوص کے سلسلے میں شدید اختلافات تھے۔ کروس نے کتاب یرمیاہ، کتاب قضاۃ اور کتاب سلاطین

سے متعدد مثالیں دی ہیں [1]

خود عہد نامۂ قدیم کی بعض کتابوں میں ایسے بیانات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رب کی شریعت میں تحریف کی گئی ہے اور اس کی کتاب میں اضافے کیے گئے ہیں۔ کتاب یرمیاہ میں ہے:

"تم کیوں کر کہتے ہو کہ ہم تو دانش مند ہیں اور خداوند کی شریعت ہمارے پاس ہے؟ لیکن دیکھ، لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے۔ دانش مند شرمندہ ہوئے۔ وہ حیران ہوئے اور پکڑے گئے۔ دیکھ انھوں نے خداوند کے کلام کو رد کیا۔ ان میں کیسی دانائی ہے؟" (۸ : ۸-۹)

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ ہے:

"تب یرمیاہ نے دوسرا طومار کیا اور باروک بن نیریاہ منشی کو دیا اور اس نے اس کتاب کی سب باتیں جسے شاہِ یہوداہ یہویقیم نے آگ میں جلایا تھا، یرمیاہ کی زبانی اس میں لکھیں اور ان کے سوا ویسی ہی اور بہت سی باتیں ان میں بڑھا دی گئیں" (۳۶ : ۳۲)

اس تفصیل سے تورات کے بارے میں قرآن کی یہ تنقید بالکل حقیقتِ واقعہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں یہود نے بہت سی باتیں اپنی طرف سے لکھ کر شامل کر دی ہیں۔

۵۔ قراطیس

ایک اصطلاح "قراطیس" کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ	ان لوگوں نے اللہ کا بہت غلط اندازہ
اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى	لگایا جب کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ
بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ	نازل نہیں کیا ہے۔ ان سے پوچھو، پھر

[1] Robert Davidson, Biblical criticism, Penguin Books, U.K. 1970, PP. 104-106

اَلْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاءَ بِهٖ مُوْسٰى	وہ کتاب جسے موسیٰ لایا تھا، جو تمام انسانوں
نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ	کے لیے روشنی اور ہدایت تھی، جسے
تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا	تم پارہ پارہ کرکے رکھتے ہو، کچھ دکھاتے
وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا وَعُلِّمْتُمْ	ہو اور بہت کچھ چھپاتے ہو۔ اور جس کے
مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ	ذریعہ سے تم کو وہ علم دیا گیا جو نہ تمہیں حاصل
اٰبَاۗؤُكُمْ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ	تھا اور نہ تمہارے باپ دادا کو، آخر اس
فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ	کا نازل کرنے والا کون تھا؟ بس اتنا کہہ دو
	کہ اللہ، پھر انھیں اپنی دلیل بازیوں سے
(الانعام۔ ۹۱)	کھیلنے کے لیے چھوڑ دو۔

ابوالسعودؒ نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے "یعنی تم کتاب کو الگ الگ اوراق میں رکھتے ہو، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے کتاب کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس میں یہود کی کارستانی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ گویا انھوں نے کتاب کی حیثیت تبدیل کرکے اسے اوراق بنا دیا ہے"۔[1]

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: اس کا مفہوم یہ ہے کہ "تمہارے پاس جو اصل کتاب موجود ہے اس سے نقل کرکے ٹکڑوں کی شکل میں پیش کرتے ہو اور اس طریقے سے اس میں جس طرح کی بھی تحریف، تبدیلی یا تاویل چاہتے ہو، کر گزرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے"۔[2]

لسان العرب میں ہے کہ "قرطاس کے معنی صحیفہ کے ہیں۔ قرآن میں ہے وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ (الانعام: ۷) دوسری جگہ ہے تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ (الانعام: ۹۱)[3]

القاموس میں ہے کہ "قرطاس صحیفہ کو کہتے ہیں خواہ کسی چیز کا ہو"۔[4]

---

[1] ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم ۳/ ۱۶۱

[2] تفسیر ابن کثیر ۲/ ۱۵۶

[3] لسان العرب مادہ قرطس۔

[4] القاموس المحیط مادہ قس۔

یہود کے کتابِ مقدس کو صحیفوں میں تقسیم کر دیتے اور کچھ دکھانے اور کچھ چھپانے کے نتیجے میں درج ذیل باتیں ظاہر ہوئیں۔

۱۔ ان صحیفوں کی کثرت اور ان میں سے کچھ ظاہر کرنے اور کچھ چھپانے کے عمل کی تکرار سے بعض صحیفے ضائع ہو گئے۔

۲۔ کتاب میں مذکور بعض واقعات کی ترتیب میں اختلاف ہو گیا۔

۳۔ بعض صحیفوں کے کچھ اجزاء دوسرے صحیفوں میں شامل ہو گئے۔

عہدنامۂ قدیم میں شامل موجودہ کتابوں میں پائے جانے والے تناقضات، اختلافات اور متشابہ مضامین کی یہ توجیہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

کتاب کے بعض حصوں کو ظاہر کرنے اور بعض حصوں کو چھپانے کے نتیجے میں واقعات کی ترتیب میں جو اختلاف ہوا اس کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

کتاب خروج میں ہے:

"اور خدا نے مدیان میں موسیٰ سے کہا کہ مصر کو لوٹ جا کیونکہ وہ سب جو تیری جان کے خواہاں تھے مر گئے" (۱۹:۴)

اس عبارت کو درج ذیل عبارت کے معًا بعد ہونا چاہیے تھا:

"اور ایک مدت کے بعد یوں ہوا کہ مصر کا بادشاہ مر گیا اور بنی اسرائیل اپنی غلامی کے سبب سے آہ بھرنے لگے اور روئے اور ان کا رونا جوان کی غلامی کے باعث تھا، خدا تک پہنچا اور خدا نے ان کا کراہنا سنا اور خدا نے اپنے عہد کو جو ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے ساتھ تھا، یاد کیا۔ (خروج ۲: ۲۳-۲۴)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں کے درمیان دو ابواب کا فاصلہ ہے جن میں مدیان میں حضرت موسیٰؑ کی زندگی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس کا سبب یا تو یہ ہے کہ مباحث میں الٹ پھیر ہو گیا ہے اور یہی میرے نزدیک راجح ہے۔ یا کئی لکھنے والوں کی وجہ سے ایسا ہوا ہے[1] یا اس کتاب کے متعدد مراجع ہونے

---

[1] Benell, W., The Century Bible, Exodus, Oxford, Undated P.16.

کی وجہ سے ایسا ہے[۱]

اسی طرح کتاب یشوع میں ہے:

"اور وہ کاہن جو خداوند کے عہد کا صندوق اٹھائے ہوئے تھے، یردن کے بیچ میں سوکھی زمین پر کھڑے رہے اور سب اسرائیلی خشک زمین پر ہو کر گزرے یہاں تک کہ ساری قوم صاف یردن کے پار ہو گئی"۔ (۳-۱۷)

عبارت بالا کے آخری فقرہ میں صراحت ہے کہ قوم دریائے یردن سے پار ہو گئی تھی۔ لیکن آگے کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

"تب یشوع نے ان بارہ آدمیوں کو جن کو اس نے بنی اسرائیل میں سے قبیلہ پیچھے ایک آدمی کے حساب سے تیار کر رکھا تھا بلایا اور یشوع نے ان سے کہا تم خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کے آگے آگے یردن کے بیچ میں جاؤ" (۴:۴-۵)

صاف معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب الٹ گئی ہے۔ اس طرح کے تناقضات کو دیکھتے ہوئے عہد نامۂ قدیم کے بعض ناقدین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس کتاب کی حیثیت ایک اکائی کی سی نہیں ہے[۲]

بعض دوسرے ناقدین کا خیال ہے کہ یہ کتاب گزشتہ پانچ کتابوں کا تسلسل ہے۔ اُن کتابوں کی تدوین میں جو مراجع پیشِ نظر رہے ہیں وہی اس کتاب (یشوع) کے بھی مراجع ہیں[۳]

کتاب کو صحیفوں کی شکل میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان سے کھلواڑ کرنے سے

۱؎ Oesterly and Robinson, Hebrew Religion. London 1937 PP 129-130

۲؎ Bentzen, Introduction to the Old Testament vol: 11 2nd. ed. Copenhagen 1942, P. 82

۳؎ Driver, S. An Introduction to the Literature of the old Testament, New york 1956 P. 104

بہت سے صحیفے ضائع ہو گئے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔

۶۔ لَیّ لِسان (زبان کا الٹ پھیر)

قرآن نے اہلِ کتاب پر تنقید کرتے ہوئے ایک اصطلاح "لَیّ لِسان" کی استعمال کی ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (آل عمران: ۷۸)	ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اس طرح زبان کا الٹ پھیر کرتے ہیں کہ تم سمجھو جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں وہ کتاب ہی کی عبارت ہے حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتا۔ وہ جان بوجھ کر جھوٹ بات اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

اس آیت میں اہلِ کتاب کا تذکرہ ہے اور ان میں یہود اور نصاریٰ دونوں شامل ہیں۔ اس سے پہلے کی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا بیان ہے۔ پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنی قربت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے بعد اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کا ذکر ہے جو دوسروں کے حقوق مارنے سے ذرا نہیں ہچکچاتے۔

بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ دونوں "لَیّ لسان" کرتے ہیں یعنی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور اسے معنیٰ مقصود سے پھیرتے ہیں۔ مجاہدؒ، قتادہؒ، ابن جریجؒ اور ربیعؒ وغیرہ نے یہی تشریح کی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لَیّ سے مراد یہاں آیات کی غلط تشریح ہے[۱]

---

[۱] تفسیر طبری ۱/۴۶۴-۴۶۵

لیّ کے لغوی معنی میلان کے ہیں۔ قرطبیؒ نے آیتِ بالا کی تفسیر میں لکھا ہے:
اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ الفاظ میں تحریف کرتے ہیں اور ان کے معنیٔ مقصود سے پھیرتے ہیں۔ لیّ کے اصل معنی موڑ لینے کے ہیں لوی بیدہ اس نے اپنا ہاتھ موڑ لیا۔ لوی براسہ اس نے منہ پھیر لیا۔[1]

ابن کثیرؒ نے اس کے معنی میں وسعت دی ہے۔ فرماتے ہیں:
"ان میں سے بعض لوگ ایسے تھے جو کلام اللہ کے الفاظ میں تحریف اور تبدیلی کرتے تھے۔ انھیں معنیٔ مراد سے ہٹا دیتے تھے، تاکہ ناواقف لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کر دیں کہ جو بات وہ کہہ رہے ہیں وہ اللہ کی کتاب میں مذکور ہے۔ اس طرح وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ اور بہتان باندھتے ہوئے ایک غلط بات کو اس کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ مجاہدؒ، شعبیؒ، حسنؒ، قتادہؒ اور ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں "یلوون" سے مراد یہ ہے کہ وہ تحریف کرتے ہیں۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ "وہ لوگ تحریف کرتے تھے اور آیات کا غلط مفہوم بتاتے تھے۔ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی کتاب کا ایک لفظ بھی نہیں ہٹا سکتا۔ وہ لوگ آیات کے الفاظ میں تبدیلی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی غلط تاویل کرتے تھے۔[2]

لیّ کی اصل (رسیّ) بٹنا اور موڑنا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ ؎

لوی یدہ اللہ الذی ھو غالبہ

(اللہ نے جو غالب ہے اس کا ہاتھ موڑ دیا)

اس تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ "لیّ لسان" میں تحریف، تبدیلی، جھوٹ افترا، اور غلط تاویل وغیرہ سب شامل ہے۔ جب زبان کو توڑ مروڑ کر ہی کہنا ٹھہرا تو جو چاہے منہ سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

اگر ہم اس تنقیدی اصطلاح کا تعلق بعض الفاظ کے مخارج اور طریقۂ ادا سے لیں تو عہد نامۂ قدیم کی کتابوں میں اس کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ ان میں

---

[1] الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) ۴/۱۲۱

[2] تفسیر ابن کثیر ۱/۳۸۴

بہت سے نام کہیں ایک انداز سے لکھے گئے ہیں اور کہیں دوسرے انداز سے، اس کی وجہ سے ان کا تعین نہیں ہو پاتا۔ مثلاً ایک ہی نام کو کتاب سموئیل دوم ۲۴ : ۱۶ میں "یبوسی ارو ناہ" اور کتاب تواریخ اول ۲۱ : ۱۵ میں "یبوسی ارنان" لکھا گیا ہے۔ مدیان کے کاہن جن کی لڑکیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پانی پلایا تھا، ان کا نام کتاب خروج (۲ : ۱۸) میں رعوایل مذکور ہے۔ لیکن کچھ ہی آگے چل کر (خروج ۳ : ۱) اس کا نام "یترو" ہو جاتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی ماں کا نام کتاب سموئیل دوم (۱۱ : ۳، ۱۲ : ۲۴) میں بت سبع بنت العام اور کتاب تواریخ اول (۳ : ۵) میں بت سوع بنت عمی ایل ہے۔ دو مقامات کا نام کتاب استثناء (۱۰ : ۶ - ۷) میں موسیرہ اور اور جدجودہ درج ہے جبکہ کتاب گنتی (۳۳ : ۳۰ - ۳۲) میں وہ موسیرت اور حور ہجّد جاد ہو گئے ہیں۔

اگر تحریف، جھوٹ، افترا اور بے جا تاویل وغیرہ کو "لیّ لسان" کی مختلف صورتیں قرار دیا جائے کہ یہ ساری چیزیں زبان کی آفات میں سے ہیں، تو ان کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

مذکورہ بالا قرآنی اصطلاحات میں سے کچھ مطلق اور عمومی ہیں مثلاً تحریف وغیرہ، اور کچھ متعین اور مخصوص مثلاً کتابت اور تبدیل (یعنی ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ لے آنا)۔ نصوصِ تورات کے سلسلے میں یہ دقیق تنقیدی اصطلاحات استعمال کر کے قرآنِ کریم نے نصوص کے تنقیدی مطالعہ کی بنیادیں استوار کی ہیں۔ ان بنیادوں سے ابتدائی دور کے مسلمان محققین نے استفادہ کیا ہے اور مغرب میں اس علم کے رواج کی راہ ہموار کی ہے۔ آج ادیان و مذاہب کے تنقیدی مطالعات کے میدان میں جو کام ہوا ہے اور خاص طور پر مغرب میں عہد نامۂ قدیم کے نصوص کے بارے میں جو تنقیدی مطالعات کیے گئے ہیں وہ سب قرآن کی انہی تنقیدی اصطلاحات کے دائرے میں ہیں۔ (ماخوذ از حولیۃ الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد پاکستان شمارہ ۴، ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۶ء)